عطار ہو ،رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے آہِ سحر گاہی !!

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماهنامه غزالی

ربیع الاوّل ۱۴۲۷ھ / اپریل 2006ء

زیرِ سرپرستی: مولانا پروفیسر ڈاکٹر سید سعید اللہ دامت برکاتہم

بانی : ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ (خلیفہ مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ)

مجلس مشاورت: مولانا محمد امین دوست، پروفیسر مسرت حسین شاہ، بشیر احمد طارق، قاضی فضل واحد، مولانا طارق علی شاہ بخاری

مدیر مسئول: ثاقب علی خان

مجلسِ ادارت: ڈاکٹر محمد طارق، محمد الطاف حسین، حافظ عماد الحق، ظہور الٰہی فاروقی

Reg No: P 476
جلد چهارم
شماره: ۸

فہرست

فی شمارہ : -/15 روپے

سالانہ بدل اشتراک : -/180 روپے

خط و کتابت کا پتہ : مدیر ماہنامہ غزالی

مکان نمبر: P-12 یونیورسٹی کیمپس، پشاور

ای میل: mahanama_ghazali@yahoo.com

saqipak99@gmail.com

physiologist72@yahoo.com

دل بنانے کا آسان راستہ

(مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ)

دل کے بنانے کا سب سے آسان راستہ اور طریقہ یہ ہے کہ دل کی چاہت اللہ تعالیٰ کی ذات کو قرار دو۔ جب اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی رضا دل کی چاہت بن جائیگی تو دل وہی عمل کرے گا جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ جب ربّ چاہے پر چلو گے تو نفسانی سے ربّانی بن جاؤ گے قرآن میں بھی آتا ہے کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ کہ ربّ والے بن جاؤ، دل کا محبوب ومقصود و مطلوب اللہ تعالیٰ کی ذات کو بنالو، دل کو لگاؤ اللہ سے اور دل میں بسالو اللہ تعالیٰ کو۔ اس دل کو ربّانی بنانے کے لئے کچھ محنت کرنی پڑے گی اور یہی وہ آزمائش ہے۔ دل کے بننے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو انسانوں کا محبوب قرار دیا لیکن ہم کبھی مرغی سے اور کبھی مچھر (بے حقیقت دنیا کا جمال، مال وجلال) سے پیار کرتے ہیں قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ (ال عمران:۱۴)

ترجمہ: فریفتہ کیا ہے لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت نے جیسے عورتیں، اور بیٹے، اور خزانے جمع کئے ہوئے سونے اور چاندی کے، اور گھوڑے نشان لگے ہوئے، اور مویشی اور کھیتی، یہ فائدہ اُٹھانا ہے دنیا کی زندگی میں اور اللہ ہی کے پاس ہے اچھا ٹھکانا۔ (تفسیرِ عثمانی)

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی چیزوں میں کشش کی خاصیت ڈالی ہے کہ وہ دلوں کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ دل کو مقناطیسِ محبت بنایا اور دنیا کی چیزوں کی سوئیاں چاروں طرف پھیلا دیں۔

ع دل ہی تو ہے، نہ سنگ وخشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں

انسان کو ان دنیاوی چیزوں کی سوئیوں سے اپنی حفاظت کرنی ہوگی۔ اگر انسان نے اپنے دل کی حفاظت کی تو معاملہ بن گیا اور اگر یہ سوئیاں دل میں اٹک گئیں تو یہ انسان کا بیڑہ ڈبو دیں گی

اور یہ سوئیاں دل کے اندر پیوست ہو کر اس کو زنگ آلود کر دیں گی۔ جب دل میں دھیان و خیال ان دنیا کی چیزوں کا رچ بس جائیگا تو طبیعتیں ان چیزوں کا اثر قبول کر لیں گی۔ اور پھر آہستہ آہستہ پورا جسم اُن کے مطابق ہو جائے گا جو چاہت اللہ تعالیٰ کی طرف مرکوز کرنی تھی وہ دوسرے رخ پر چلی گئی، صوفیاء دل کو ان آلائیشوں سے پاک کرنے کے لئے یہ دعا کرتے رہتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ نَوِّرْ قَلْبِیْ بِنُوْرِ مَعْرِفَتِکَ وَ فَرِّغْ قَلْبِیْ عَنْ غَیْرِکَ۔

ترجمہ: اے اللہ اپنی معرفت کے نور سے میرے قلب کو منور فرما اور میرے دل کو ہر غیر سے پاک فرما۔

فراغتِ غیرِ حق میں شفاءِ دل ہے اور اللہ تعالیٰ کا دل میں بس جانا حقیقت میں انسان کے دل کا بن جانا ہے۔ انسان کہتا ہے کیا کروں، کیا ہو، کیا نہ ہو۔ انسان ہر وقت اُدھیڑ بُن میں رہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فکر نہ کرو صرف مجھے اپنا مطلوب و مقصود و محبوب بنا لو اور مجھے اپنے دل کا مرکز بنا لو۔ پھر جو میں چاہونگا وہ کرونگا۔ اور جب ربّ محبوب و مقصود ہو گا تو پھر اس کا ہر پروگرام بھی محبوب و مقصود ہو گا۔ ورنہ اگر اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی مقصودیت اور مطلوبیت کے درجہ میں نہیں ہے تو ایک ایک قدم اٹھانا بھی بہت بھاری اور بہت دشوار ہے۔ آجکل ہم شریعت پر کیوں نہیں چلتے شریعت تو مشکل نہیں لیکن ہم کو اس لئے مشکل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق نہیں ہے۔ ورنہ جو چیز محبوب بن جاتی ہے اس کے لئے جان دینا بھی آسان ہوتا ہے۔ بس انسان ایسی کوشش کرے کہ دل کے اندر خداوندِ قدوس کی ذات پھنس دھنس جائے اگر کوشش کرے بھی تو نکال نہ سکے۔ اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں ایسی پیوست ہو جائے کہ دل میں ایک کسک محسوس ہوتی ہو۔

؎ کوئی میرے دل سے پوچھے تیرے تیرِ نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

جو پھانس اندر جاتی ہے تو جب تک اندر ہوتی ہے انسان کو تکلیف ہوتی ہے ایسی اللہ تعالیٰ کی محبت کی پھانس دل میں اٹک جائے۔ ایمان کے بعد اللہ کی یاد کو دل میں بسانے کے لئے دو

چیزوں کی ضرورت ہے ایک عملِ صالح اور دوسری چیز اللہ کے پورے دھیان کے ساتھ اس کا ذکر۔ہم جو ذکر کرتے ہیں وہ متنبّی (عربی کا شاعر) کے ملامت گر کی طرح ہے کہ جو شعر میں کہتا ہے کہ لوگوں کی ملامتیں تو دل کے اوپر اوپر ہیں اور اس کی محبت دل کے اندر ہے۔حضرت سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں۔

؎ دور باش افکارِ باطل دور باش اغیارِ دل
سج رہا ہے شاہِ خوباں کے لئے بازارِ دل

جمع وہ سامان ہو جس کی خریداری بھی ہو
سوچ کر اے دل لگانا چاہیے بازارِ دل

ہمارا دل اللہ تعالیٰ کا بازار ہے ہم اس دل میں وہ چیزیں رکھ دیں جن کو اللہ تعالیٰ خریدے ہم نے اللہ کی مرضیات اور محبوب چیزوں کی جگہ پر دل میں کوڑا کرکٹ جمع کیا ہے۔ پس ذکر جو ہو وہ مع الفکر ہو اور دھیان کے ساتھ ہو۔شاہ عبدالعزیز دعا جوؒ نے مجھے ایک مرتبہ فرمایا کہ ہر نماز کے بعد ایک سانس میں گیارہ مرتبہ اللہ اللہ کہو۔اور اس دھیان کے ساتھ کہو کہ اللہ محبت سے میرے دل کی طرف دیکھ رہے ہیں۔انشاء اللہ اس سے اللہ کا دھیان نصیب ہوگا۔ذکر میں سب سے بڑی اور اہم چیز توجہ الی المذکور (اللہ) ہے اور اگر توجہ الی المذکور نہ ہو تو پھر توجہ الی الذکر ہونی چاہیئے ہم ذکر کے وقت ذاکر نہیں ہوتے۔جس طرح نشانہ باز نشانہ لگاتے ہیں اور ہدف پر ایک بھی نہ لگے تو سارے نشانے بیکار ہو جائینگے۔اسی طرح ذکر کا ہدف اللہ کی ذات یا دل ہے اگر اللہ کی ذات کی طرف توجہ نہیں جمتی ہے تو یہ خیال کیا کرو کہ دل پر نورانی کلمات کے ساتھ اللہ لکھا ہوا ہے۔اقبال کہتا ہے:

؎ نویس اللہ بر لوحِ دلِ من

ترجمہ: میرے دل کی تختی پر اللہ لکھ دو۔

جیسے مجنون لیلیٰ کا نام لکھا کرتا تھا۔کسی نے پوچھا مجنون کیا کرتے ہو۔

گفت مشقِ نامِ لیلیٰ می کنم

خاطرِ خود را تسلی می دہم

ترجمہ: تو کہا لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں اور اپنے دل کو تسلی دے رہا ہوں۔

کہا کہ اپنے دل کو تسلی دینے کے لئے لیلیٰ کے نام کی مشق کرتا ہوں۔اسی طرح ہم اللہ تعالیٰ کے نام کی مشق کریں۔لفظ اللہ بھی اگر دل پر آ جائے تو بہت بڑی دولت ہے۔جس طرح لیلیٰ کا نام دال (رہنما) ہے ذاتِ لیلیٰ پر اسی طرح لفظ اللہ دال ہے اللہ کی ذات پر۔لفظ کے پیچھے حقیقت ہوتی ہے۔اسم کے پیچھے مسمّٰی ہوتا ہے۔اللہ کا نام لو گے تو برکت آئے گی۔

تَبَارَکَ اسْمُ رَبِّکَ ذُوْ الْجَلاَلِ وَالْاِکْرَام o (الرّحمٰن: ۷۸)

ترجمہ: بڑی برکت ہے نام کو تیرے ربّ کی جو بڑائی والا اور عظمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نام کو پکارتے رہو گے تو دل میں اترتا چلا جائیگا ذکرِ الٰہی ایک برما ہے جس سے ذکرِ الٰہی کا اور یادِ حق کا سوراخ اندر بنتا جائیگا اور بُرادہ (غیر) نکلتا جائیگا۔

★★★★★★★

(صفحہ ۳۲ سے آگے) ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ لوگ جو'مذاہب کی ہم آہنگی' میں دلچسپی رکھتے ہیں۔اکٹھے بیٹھیں اور نیکی اور بُرائیوں کی ایک فہرست بنائیں جو سارے مذاہب میں ہیں۔میں یہ بات کہنے میں ذرا ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا کہ انصاف سب سے بڑی نیکی ہے اور ظلم سب سے بڑی بُرائی،اس کے بارے میں کبھی دو رائے نہیں ہو سکتیں۔سارے مذاہب کے مذہبی لوگوں کو قوم، رنگ اور مذہب سے قطع نظر انصاف کو فروغ دینے اور ظلم کے خاتمے کے لئے ہاتھ میں ہاتھ دینا چاہیے۔

اگر انسانیت کو رسمی اور غیر رسمی تعلیم کے ذریعے تکبر اور حرص سے پاک کر دیا جائے، انصاف قائم کر دیا جائے تو کس کو بیڑیاں پہنائی جائیں گی اور کون جیل میں ڈالا جائے؟ کون لڑے گا اور کس چیز کے لئے لڑے گا؟ کیا ایسے اللہ تعالیٰ کی حکمرانی قائم نہیں کی جا سکتی؟

شریعت رحمت ہے (آخری حصہ)

(ڈاکٹر فدا محمد دامت برکاتہم خلیفہ مجاز مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ)

چارسدے کا ایک انجینئر صاحب سلسلہ میں کچھ عرصہ آیا گیا، ایک دن میں نے اُس سے پوچھا، ''شہ دے زدہ کڑہ'' آخر مجھے بھی بتاؤ کہ کیا سیکھا؟ تو اُس نے کہا کہ ہم تو چارسدے کے لوگ ہیں، ہمارا تو پہلے یہ حال تھا کہ آدمی دوسرے سے کہتا کہ '' غُل مہ خورہ ھغہ بہ وئیل غُل بہ خوری ستا پلار'' گوں (ٹٹی) مت کھاؤ وہ جواب میں کہتا کہ گوں کھاتا ہے تمھارا باپ۔ ''اودریگہ ستا اوبس ڈز ڈز'' تمھاری ایسی تیسی بندوق کے بولٹ کھینچے لبلبی دبائی اور آدمی قتل، میرا دل بیدار رہوا۔ زڑہ زما لگ بیدار شو۔ اب کچھ سوچنے لگ گیا ہوں۔ میں نے کہا ہاں واقعی آپ نے بہت کچھ سیکھا۔ تو عرض یہ کرنی تھی کہ عام طور پر ہم سارے کے سارے اپنے گھروں میں، محکموں میں، برادری میں سب جگہوں پر جذبات کے تحت استعمال ہوتے ہیں عقل کے تحت استعمال نہیں ہوتے اور تربیت کہتے ہی اسکو ہے کہ ہمارے جذبات قابو میں آجائیں۔ ہمارے حضرت شاہ عبدالعزیز دعاجو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جوش ہوش کے تابع ہو اور ہوش شریعت کے تابع ہو، یہ ہے کامیاب زندگی کا نسخہ۔ ہم کو جوش کہہ رہا ہے کہ یہ کرو، لیکن ہوش سے ذرا کام لو، سوچو کہ اس کے کرنے میں کیا فائدہ ہے کیا نقصان ہے؟ ہوش سے شریعت کی روشنی میں فائدہ نقصان پوچھو، شریعت کی روشنی میں فائدہ نقصان کیا ہے، اس پر فیصلہ کرے آدمی۔ تصوف میں تربیت ہی تین جذبوں کی ہے جذبہ غضب، جذبہ حرص اور جذبہ شہوت۔ یہ تین بنیادی جذبے ہیں، ان جذبوں سے انسان کے اندر رذائل پیدا ہوتے ہیں، کبر، حسد، لالچ، کینہ، ریا، یہ سارے کے سارے رذائل جذبے سے وجود میں آتے ہیں تو لہٰذا اُن تین جذبوں کو درست کر کے ان سارے رذائل کو صاف کیا جاتا ہے، اور جب رذائل صاف ہوتے ہیں تو پھر فضائل آتے ہیں۔ جب کبر ٹوٹتا ہے تب تواضع آتی ہے، کئی مسائل ہم نے کبر کی وجہ سے کھڑے کیے ہوئے ہوتے ہیں، اَنا کا مسئلہ، اخباروں میں دیکھتے ہیں نا، فلاں نے فلاں بات کو اَنا کا مسئلہ بنا دیا۔ ایک سیاسی لیڈر کو دوسرے نے پکڑا اور اس کی ایک مونچھ کاٹ کے چھوڑ دیا کہ جاؤ، وہ گیا اپنے آدمی لیے اور اُسکو قتل کر دیا، اب کچھ قبروں میں ہیں، کچھ ملک بدر پھر رہے ہیں، مونچھ اونچی کرنے کی بات تھی، ایک غلط سوچ ہے، ایک غلط جذبے کے تحت آئی ہوئی ہے۔ اس جذبے نے مغلوب کیا سوچ کو، اس کے پیچھے چل رہا ہے اس کے آگے ہتھیار ڈالے ہوئے ہے، اس پر عمل کر رہا ہے، عمل کئے جا رہا ہے، کیسے جا رہا ہے، قرآن پاک کی آیت کہہ رہی ہے اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوٰہُ (کیا تو نے اُس آدمی کا حال بھی دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو

اپنا الٰہ (معبود) بنا دیا)، انسان جب خواہش نفس کے تابع ہو کر کام کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو توڑتا ہے تو اس نے الوہیت کا مقام خواہش نفس کو دے دیا، اس نے (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کی الوہیت کو گرا دیا اور خواہش کو الٰہ بنا دیا۔ یہ خیال اور جذبہ ہی تو ہے، اس کے آگے تُو ہتھیار ڈال دیتا ہے، آخر پوچھ تو سہی کہ اس کے جذبے کو تُو کیسے پچھاڑے گا اس کا طریقہ ہے سب سے پہلے تو نفس اس بات سے ڈرتا ہے کہ میرا حال کسی پر ظاہر نہ ہو، بند کمرے میں مرد عورت بیٹھ جائیں اور چھوٹی سی درز سے چھوٹا بچہ دیکھ رہا ہو کہ کیا کرتے ہیں تو کچھ کر سکتے ہیں؟ نہیں۔ یہ کس وجہ سے؟ دراصل نفس بدنامی کے عار کو برداشت کرنے کو تیار نہیں ہو رہا۔ اس لیے کہتے ہیں کہ جب آدمی اپنے عیوب کی اصلاح چاہے تو کسی کے ساتھ اصلاحی تعلق بیعت کا قائم کر کے پھر اپنے نفس کے عیوب بتائے۔ گناہ کر کے ہر کسی سے گناہ کا تذکرہ کرنا کہ میں نے یہ گناہ کیے یہ دُہرا گناہ ہے۔ کسی آدمی سے گناہ ہو جائے اس کا اب لوگوں کے سامنے چرچا نہ کرے۔ آدمی اصلاح کے لیے اپنے شیخ (جس سے بیعت کا تعلق ہو) سے مشورہ کرتا ہے، اپنے عیب کو بتاتا ہے، یہ بتانا برائے اصلاح ہے اور سب سے پہلے جب نفس کو پتہ چلے گا کہ میری بات کا اب کسی کو پتہ چلے گا تو اُسی وقت ہتھیار ڈال دیتا ہے، شکست کھا جاتا ہے، اور پھر عیب کو دور کرنے کا طریقہ ہے، ایک آدمی نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا، کہ حضرت اتنا تنگ کرتی ہے بیوی، ایسی بولتی ہے کہ میں اس سے تنگ آ گیا ہوں، میں کیا کروں؟ جذبہ ہوتا ہے کہ اسکی ہڈیاں توڑ دوں، اسکو گھر سے نکال دوں، اسکو طلاق دے دوں، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسکو لکھا کہ اس وقت شیطان اُس سے بلوا رہا ہوتا ہے اور گھر کو اجاڑنے کی ترتیب کروا رہا ہوتا ہے تاکہ تمھارے گھر کو اجاڑ دے، تمھارے حالات کو خراب کر دے، تھوڑی دیر یہ سوچ لیا کرو کہ یہ شیطان اُس سے کرا رہا ہے، اگر میں بھی اس کے مقابلے میں آ جاؤں تو دونوں شیطان کے طریقے پر ہو گئے، انھوں نے کچھ دنوں کے بعد لکھا۔ حضرت اس وقت میں نے سوچنا شروع کیا کہ میں شیطان کا آلہ کار کیوں بنوں، تو اُس نے تھوڑی دیر شور مچایا، آگے اس کو میری طرف سے کوئی جواب نہیں ملا، بس بات ختم ہو گئی اور مسئلہ حل ہو گیا۔ ایک آدمی جب برا بھلا کہتا ہے تو چاہتا ہے کہ دوسرا ٹکرائے مجھ سے تاکہ مزہ آئے، اس طرح دونوں کے نفسوں کا جذبۂ غضب لطف اٹھا رہا ہوتا ہے۔ جب ایک طرف سے صبر کا مظاہرہ ہو جائے تو بات ہی ختم ہو جاتی ہے۔ دوسرا ٹکراتا ہے تو اس کو مزہ آتا ہے بس اس سے بات آگے بڑھتی ہے۔ ایک جگہ ایک پیر صاحب آ گئے۔ ایک لڑکی جس کا بڑا مسئلہ تھا ساس سے لڑائی ہوتی تھی بڑی سخت، وہ گئی دم کرانے کے لئے، اُنھوں نے اس کو تین کنکر دَم کر کے دیئے، کہ جس وقت لڑائی شروع ہو اور ساس گالیاں دے، بُرا بھلا کہے، باتیں

سنائے تم یہ کنکر دانتوں کے نیچے رکھ لینا، جتنا وہ گالیوں پر زور دے اُتنا تم کنکریوں پر زور دینا، بس لڑائی ختم ہوجائے گی۔ وہ کنکر لیکر آئی جوں لڑائی شروع ہوئی، اُس نے کنکر دانتوں میں دبائے اور دباتے دباتے لڑائی ختم ہوگئی، سبحان اللہ کیا پیر صاحب کے دم کا کمال تھا۔ وہ کنکر جو دبا رہی تھی تو دراصل بول نہیں سکتی تھی، چپ رہنا پڑا اسکو۔ جب چپ رہنا پڑا تو مسئلہ حل ہوگیا۔ ہر ایک آدمی کا جذبہ ہوتا ہے کہ جب میں نکلوں آگے تو دوسرا آدمی مقابلے کے لیے کھڑا ہو مزہ آئے، جب میں سناؤں تو وہ بھی سنائے، جب میں سو سناؤں وہ ایک سو دس سنائے، تو پھر میں ایک سو بیس سناؤں تو مزہ تو تب آتا ہے، جب وہ آگے سے بول ہی نہ رہا ہو تو رہا کیا؟ اللہ کا احسان ہے یہ وہ شریعت کی رحمت والی ترتیب ہے، ایک لطیفہ آپ کو سناؤں، ایک مولوی صاحب تھے اُنھوں نے خربوزے خریدے ایک دکاندار سے، خریدنے کے بعد ایک کو کاٹ کر دیکھا تو پھیکا تھا اس نے کہا کہ خربوزے تیرے پھیکے ہیں واپس کر، اُس نے کہا واپس نہیں کرتا ہوں، خریدی ہوئی چیز واپس نہیں ہوتی ہے۔ یہ وہاں بیٹھ گئے، اب تعارف ہر کسی سے ہے، جو کوئی آتا ہے پوچھتا ہے اُستاد جی کیسے بیٹھے ہوئے ہو؟ جواب دیتے یہ خربوزے خریدے تھے پھیکے ہیں، دوکاندار واپس نہیں لیتا، اس طرح گاہک بھاگ جاتے۔ دوکاندار کو اندازہ ہوگیا کہ سارے گاہکوں کو خراب کررہا ہے اُس نے کہا لاؤ خربوزے ادھر دو اور اپنے پیسے لے جاؤ، مولوی صاحب نے اپنی شرعی دانشوری استعمال کی اور تھوڑی دیر میں اُس نے دوکاندار کو ریشم کی گرہ میں باندھ دیا، پتھر کی اور زنجیر کی اور ڈوری کی ضرورت ہی نہ پڑی کیونکہ ریشم کی گرہ نرم اتنی کہ محسوس ہی نہ ہو اور سخت اتنی کہ ٹوٹے ہی نہیں۔ بجائے اس کے اگر تُو تُو، میں میں کرتے تو کچھ بھی ہوسکتا تھا۔ جذبات کی تربیت ہونا ایک دو دن کی بات نہیں۔ اس کے لئے وقت چاہیے۔

صوفیاء مثال بیان کرتے ہیں کہ کمہار مٹی کھودتا ہے اُس کو سُکھاتا ہے دھوپ میں۔ پھر اس کو پیستا ہے، ڈنڈوں سے اتنا مارتا ہے کہ سرمہ ہوجاتی ہے، پھر پانی میں ڈالتا ہے، کیچڑ بنتا ہے کیچڑ کو خمیر کرتا ہے۔ اب تو سارے سیمنٹ کے زمانے کے لوگ ہیں ہم پرانے لوگ ہیں ہمیں پتہ ہے کہ کیچڑ کو کچھ دن رکھتے ہیں خمیر کرنے کے لیے اسمیں Bacterial Reaction ہوتا ہے۔ خمیر کیچڑ جو لگتا ہے کسی جگہ تو بہت پکا ہوتا ہے۔ تو کمہار خمیر کرتے ہیں پھر اس سے برتن بناتے ہیں۔ بنانے کے بعد اسکو دھوپ میں رکھتے ہیں لیکن اتنا کہ وہ پورا خشک نہ ہوں، پھر اس کو دیکھتا ہے چاروں طرف سے کسی جگہ سے کچھ ٹیڑھا ہو تو اسکو ایک چپٹی سی چیز سے مارتا ہے۔ مجھے اپنے گاؤں کا کُمہار یاد ہے اس کے تماشے کے لیے ہم بچے جاتے تھے، اور وہاں بیٹھ کر تماشے کرتے

تھے۔اس مارنے میں اندرایک چیز رکھتے ہیں(Support) سہارے کے لئے اور باہر سے اس طرح مارتے ہیں کہ کوئی فرق نہیں چھوڑتے۔ پھراسکو رکھتے ہیں آگ کے آوے میں، آوے میں رکھ کرآگ جلتی ہے،جلتی ہے ،یہاں تک کہ وہ پکتا ہے۔کمہار کو پتہ ہوتا ہے کہ آگ سے دور کونسا تھا،آگ کے درمیان میں کونسا تھا۔آگ سے دور جو ہوتا ہے وہ ایک سال چلنے والا ہوتا ہے جوآگ کے بیچ میں ہوتا ہے وہ سرخ ہوا ہوتا ہے جل کر، ہمارے گھر میں ایک مٹکا ہے اس کی عمر ساٹھ ۶۰ سال ہوگی اسکو ہم نے بطور یادگار رکھا ہوا ہے،اس کی مجھے داستان بھی یاد ہے کہ ایک کسان نے قرضہ لیا ہوا تھا ہماری دادی صاحبہ سے، وہ قرضہ ادا نہیں کر رہا تھا، اُس نے کہا کہ یہ گھڑا لے جاؤ۔تو اس کے ساٹھ سال تو میری یاداشت میں ہیں۔کیونکہ درمیان کی آگ کا پکا ہوا ہے۔تربیت لینے میں بھی اپنے آپ کو میدان میں اُتارنا ہوتا ہے کمہار اور مٹی والے سارے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔صوفیاء کا قول ہے ''مردہ بدست زندہ'' جس طرح مردہ زندہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے، جدھر اس کو موڑتا ہے اُدھر ہی مڑتا ہے اپنا اختیار ہی نہیں رہتا، تب تربیت ہوتی ہے تب چیز بنتی ہے۔بفضلہٖ تعالیٰ صوفیاء کی تربیت سے ایسا حال ہو جاتا ہے کہ آدمی کے دل کے اندر گناہ کے وسوسے کے آنے کی جگہ نہیں رہتی۔بندہ نے اپنے کتابچہ 'اصلاح نفس' میں اس بات کو لکھا ہے کہ یہ فنِ تصوف ہے کہ باطن سے سارے باطل خیالات محو ہو جائیں۔اس بات کو ہندو بھی کرتے ہیں بُدھ بھی کرتے ہیں، کہ آدمی کے نفس کے گناہ کا جذبہ بالکل قابو ہو جائے،لیکن اللہ کی رضا کے لیے نہیں کرتے ہیں، بڑا پنڈت بننے کے لیے کرتے ہیں، اس لیے مردود ہیں اور توحید نہیں ہوتی ان کے پاس، اور اللہ کی رضا نہیں ہوتی، اس لیے وہ مردود ہوتے ہیں، ورنہ فنائے نفس ان کے پاس ہوتی ہے۔توحید اور اخلاص کے ہوتے ہوئے جب آدمی فنِ تصوف کی مشقوں سے فنا حاصل کر لیتا ہے تو اس کے بعد فضلِ الٰہی دستگیری فرماتا ہے اور آدمی مقبول بنتا ہے۔عرض یہ ہے یہ ایک دودن کی بات نہیں ہے جب آدمی آتا جاتا ہے، سیکھتا ہے، اپنے مسائل بتاتا ہے، مشورے لیتا ہے اُس کو ترتیب بتاتے ہیں، ترتیب کو لے کر اُس کی مشق کرتا ہے پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کرتا ہے کہ اس کا غضب، شہوت، حرص تینوں جذبے قابو میں آتے ہیں۔اُس کے بعد مزے ہی مزے ہیں۔جب ایک آدمی کو دربار عالیہ میں کرسی مل جائے، نوکری بھی مل جائے، اسکی بات سنی جا رہی ہو تو ان مزوں کو کہاں دوسرا آدمی پاسکتا ہے۔اس لیے اللہ کے تعلق والے بندے کہتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو ہمیں دیا ہے اگر ان بادشاہوں کو پتہ چل جائے تو بادشاہتوں کو چھوڑ کر اس کے پیچھے آئیں اور اگر انکا بس چلے تو ہم پر حملہ کر کے، فوج کشی کر کے ہم سے یہ چیز لے لیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اقبالیات (آخری حصہ)

(مرتّبہ: سرفراز خان مروت، لائبریرین، پشتو اکیڈمی، پشاور یونیورسٹی)

(انتخاب از روزگارِ فقیر جلد اوّل از فقیر سید وحید الدین)

حُسن انتخاب :-ڈاکٹر صاحب اپنی میکلوڈ روڈ والی کوٹھی میں قیام فرماتے۔اس زمانے میں ڈاکٹر صاحب کی قیام گاہ پر ایک نئے ملاقاتی آئے۔ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔اتنے میں انہوں نے ڈاکٹر صاحب سے ایک سوال کر دیا کہنے لگے:-''آپ نے مذہب، اقتصادیات، سیاسیات، تاریخ اور فلسفہ وغیرہ علوم پر جو کتابیں اب تک پڑھی ہیں۔ان میں سب سے زیادہ بلند پایہ اور حکیمانہ کتاب آپ کی نظر سے کون سی گزری ہے؟''

ڈاکٹر صاحب اس سوال کے جواب میں کرسی سے اٹھے اور نو وارد ملاقاتی کی طرف ہاتھ کا اشارہ کیا کہ تم ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں۔یہ کہہ کر وہ اندر چلے گئے دو تین منٹ میں واپس آئے تو ان کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی۔اس کتاب کو انہوں نے اس شخص کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے فرمایا ''قرآن کریم''

برگسان سے ملاقات :-۲۴ دسمبر ۱۹۳۲ء کو جب لندن میں تیسری گول میز کانفرنس ختم ہوئی۔تو ڈاکٹر صاحب ہندوستان واپس آنے سے قبل پیرس تشریف لے گئے۔اور فرانس کے مشہور فلسفی پروفیسر برگسان سے ملاقات کی۔یہ ملاقات خاصی طویل رہی۔اس میں برگسان کے نظریہ ''واقعیتِ زمان'' پر سیر حاصل بحث ہوئی۔برگسان فلسفہ کا مجتہد تھا تو اقبال بھی ان علوم کے امام تھے۔یوں سمجھئے کہ آئینہ آئینہ کے مقابل تھا۔

ڈاکٹر صاحب نے برگسان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنائی۔زمانہ کو برا مت کہو (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) میں خود زمانہ ہوں تو برگسان حیران و ششدر رہ گیا۔اور بار بار ڈاکٹر صاحب سے دریافت کرتا رہا کہ ''کیا یہ صحیح قول ہے؟'' (برگسان کو حیرت ہوئی کہ 'فلسفۂ واقعیتِ زمان' جس پر وہ سالہا سال سے غور و فکر کر رہا تھا وہ تو اقبال نے ایک جملے میں حل کر دیا۔اس پر علاّمہ اقبال نے کہا کہ یہ میرا اپنا قول نہیں ہے بلکہ آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے میرے پیغمبر ﷺ کی فرمائی ہوئی بات ہے۔اس نے برگسان کی حیرت کو مزید بڑھایا۔ادارہ)

مخلوط تعلیم:- صنف نازک کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کا یہ نظریہ تھا کہ خواتین کا کام گھروں میں رہ کر نئی نسل کو تربیت دینا ہے۔کہ اس طرح معاشرے میں اعتدال و سکون قائم رہ سکتا ہے۔دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب عورت کو ''شمع انجمن'' نہیں ''چراغ خانہ'' دیکھنا چاہتے تھے۔ان کے سامنے یورپ کی زندگی

تھی کہ عورت نے وہاں جب سے گھریلو ذمہ داری، تدبیرِ منزل اور خانہ داری کو خیر باد کہا ہے۔ یورپ کا معاشرہ تباہ وابتر ہو کر رہ گیا ہے اور گھریلو زندگیاں بے مزہ اور بے سکون ہو گئی ہیں۔ ایک دن بیگم راس مسعود نے قدرے شکایت کے انداز میں ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ مرد خود تو تفریح کرنے اور دل بہلانے کے لئے رقص وسرود کی محفلوں اور کلب گھروں میں چلے جاتے ہیں۔ لیکن بیچاری عورتوں کو چہار دیواری میں مقید رہنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے نہایت ہی متین لہجہ میں کہا میں جو کچھ کہتا ہوں اس میں تمام تر خواتین کا ہی فائدہ ہے۔ سفرِ افغانستان سے واپسی پر ڈاکٹر صاحب سے مزید دریافت کیا گیا کہ جب قرآن کریم تمام انسانوں کو علم وآگہی حاصل کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ تو پھر لڑکوں اور لڑکیوں کی جدید تعلیمی سہولتوں پر کیوں قدغن لگائی جاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کے جواب میں فرمایا بے شک قرآن کریم میں حصولِ علم پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ لیکن اس میں یہ کہاں کہا گیا ہے۔ کہ لڑکے اور لڑکیاں ایک مکتب میں مل جل کر تعلیم حاصل کریں۔ پردہ اور مخلوط تعلیم کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کے خیالات بڑے واضح تھے اور وہ اپنے اس موقف سے بال برابر ہٹنا نہیں چاہتے تھے۔

خدا اور انسان کا رشتہ :- سید امجد علی پروفیسر صاحب جواب تک فلسفہ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اور جن پر تمام تر عقلیات کا غلبہ تھا۔ علامہ اقبال نے ان کی توجہات کا رخ مذہب کی طرف موڑ دیا۔ اور اس حقیقت سے آگاہ کیا۔ کہ قرآن کریم فلسفے اور الٰہیات کی کوئی تصنیف نہیں ہے۔ اس کا مقصد دل کو اطمینان عطا کرنا ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے یہ مشورہ بھی دیا کہ قرآن کریم کو اس زاویہ نگاہ سے مت پڑھو کہ وہ تمہیں فلسفے کے مسائل سمجھائے گا۔ بلکہ اسے اس زاویہ نگاہ سے پڑھو کہ اللہ تعالیٰ سے میرا کیا رشتہ ہے۔ اور کائنات میں میرا کیا مقام ہے۔ قرآن اس لئے نازل ہوا ہے۔ کہ وہ انسان میں خدا سے ربطِ قلبی کا اعلیٰ شعور پیدا کردے۔ تاکہ انسان اس ربط کی بدولت مشیتِ ایزدی سے ہم آہنگی پیدا کر سکے۔

خطبات مدراس :- خطبات مدراس جس کا پہلا ایڈیشن لاہور سے اور دوسرا آکسفورڈ سے بہ عنوان

Reconstruction Of Religious Thoughts In Islam

۱۹۳۵ء میں شائع ہوا ہے۔ ایک ایسی کتاب ہے جو عمیق فلسفہ اور نازک ودشوار افکار سے لبریز ہے۔ اسے بہت کم لوگوں نے پڑھا اور سمجھا ہے۔ جس کا شکوہ خود علامہ کو بھی قوم سے رہا۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی غالباً واحد شخصیت ہیں جوان خطبات کو اب تک پندرہ سولہ بار پڑھ چکے ہیں۔ اور بار بار نیا لطف اٹھاتے اور محسوس کرتے ہیں کہ ہر

مطالعہ کے بعد حقائق ومعارف کے کچھ نئے گوشے سامنے آرہے ہیں۔ جب اس کتاب کا ذکر نکلا تو پروفیسر صاحب نے فرمایا کہ بعض کتابیں طالبانِ علم کی تمام عمر کی رفیق بن جاتی ہیں۔ مثلاً ابن سینا نے ارسطو کی ''مابعد الطبیعات'' کو تیس بار پڑھا تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں چالیس بار پڑھا تھا۔ پروفیسر صاحب جو تیس سال کے بعد اب ان خطبات کی اردو شرح کی تڑپ دل میں رکھتے ہیں فرماتے ہیں۔ کہ ڈاکٹر صاحب نے ایک بار خاص انداز میں فرمایا:۔ ''اگر میری یہ کتاب (تشکیل جدید) خلیفہ مامون الرشید کے دور میں شائع ہوتی تو پورے عالم اسلام میں ایک تہلکہ مچ جاتا''

حاسد استانی :۔ پھر عقل وعشق کا موازنہ کرتے ہوئے یہ حکیمانہ نکتہ واضح کیا۔ کہ اس دنیا میں سارا جھگڑا خرد اور قلب کے درمیان ہے۔ یہ صرف دل ہی ہے جو خرد سے الجھتا ہے۔ اور کوئی اس سے الجھنے کی جرأت نہیں کرتا۔ فرمایا اس کائنات میں خرد بلا شرکت غیرے (فقط امرِ الٰہی کے تحت (ادارہ)) حکمران ہے۔ خرد وہ ''حاسد استانی'' ہے جو کسی کی شرکت یا مداخلت گوارا نہیں کرتی۔ تم خرد کی طاقت کا اندازہ اس سے کر سکتے ہو کہ انسان خدا بھی وہی پوجتا ہے جسے اس کی عقل پسند کرتی ہے۔ حد یہ ہے کہ خرد ظالم! خدا تک تراش لیتی ہے۔ تنہا دل ہے جو خم ٹھونک کر سامنے آتا ہے۔ اور برملا کہتا ہے۔ کہ تو غلط کہتی ہے۔ ان کی اس عالمانہ گفتگو نے مجھ پر ان کے اس شعر کا مفہوم پوری طرح واضح کر دیا۔

عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں
راہبر ہو ظن وتخمین تو زبوں کارِ حیات

قرآن کریم اور کلام اقبال :۔ پروفیسر سلیم چشتی نے برسوں ان احوال وکیفیات کا اپنی آنکھ سے مشاہدہ کیا ہے۔ پھر کلام اقبال سالہا سال سے ان کے پیش نظر رہا۔ موصوف کی پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ رائے ہے کہ جس نے قرآن کریم کو پڑھا اور سمجھا نہیں ہے وہ کلام اقبال کا مفہوم پانے کی کوشش میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ کلام اقبال کا ماخذ، منبع اور محور قرآن کریم ہے۔ اس لئے پہلے قرآن کو پڑھئے اور پھر اقبال کے کلام سے لطف اور فیض حاصل کیجئے۔

استاد کی عظمت :۔ ۱۹۱۳ء کا واقعہ ہے جب ڈاکٹر صاحب انارکلی والے مکان میں رہتے تھے۔ سید محمد عبداللہ ان سے ملنے کے لئے وہاں گئے۔ ڈاکٹر صاحب ان سے فرمانے لگے:۔ ''عبداللہ جی یورپ کا کوئی ایسا بڑا عالم یا فلسفی نہیں ہے Oriental And Occidental مستشرق یا مستغرب جس سے میں نہ ملا ہوں۔ یا کسی نہ کسی موضوع پر بے جھجک بات نہ کی ہو۔ لیکن نہ جانے کیا بات ہے شاہ جی (میر حسن صاحب علامہ صاحب کے اُستاد) سے بات کرتے ہوئے میری قوت گویائی جواب دے جاتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ ان کے کسی نقطۂ نظر سے مجھے اختلاف ہوتا ہے۔ لیکن دل کی یہ بات بآسانی زبان پر لا نہیں سکتا۔''

ایک بار ڈاکٹر صاحب کو یہ کہتے بھی سنا گیا:۔ ''شاہ جی کا کیا کہنا شاہ جی کی ہر بات شعر ہوتی ہے۔''

کتابوں اور رسالوں پر تبصرہ

ماہنامہ انوار القرآن:

ماہنامہ انوار القرآن کراچی کا ربیع الاوّل نمبر موصول ہوا۔عرصۂ دراز کے بعد درخواستی صاحب کا نام سامنے آیا، یادیں تازہ ہوئیں ،جن کی زیارت اپنے شیخ حضرت مولانا اشرف سلیمانیؒ کی وجہ سے کئی بار نصیب ہوئی۔ واقعی ایسی شخصیت تھے کہ

خدا جانے مجھے ساقی نے کیا دے کر پلایا ہے
وہ کب کا جاچکا لیکن نظر آتا ہے محفل میں

دوسرا نام جناب (ر) بریگیڈئر ڈاکٹر قاری فیوض الرحمٰن صاحب کا سامنے آیا جن کی شخصیت اور قلم کے ساتھ عرصۂ دراز سے تعارف ہے۔موصوف حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کے دیرینہ رفقاء میں سے ہیں۔فارغ التحصیل عالم، جدید ترتیب پر پی۔ایچ۔ڈی اور فوج میں بریگیڈئر کے عہدے تک پہنچ کر جدید و قدیم کا پرکشش مجموعہ بن چکے ہیں۔سونے پہ سہاگہ کہ تصوف کے سلسلہ قادریہ رائے پوریہ میں صاحبِ خلافت ہوئے۔اللہ کا شکر ہے کہ اُن کے رہوارِ قلم (قلم کا گھوڑا) کو انوار القرآن کی ایڈیٹری کی شکل میں میدان میں لایا گیا۔اللہ تعالیٰ فیضِ عام کے لئے سبک رفتاری سے دوڑنے کی توفیق عطا فرمائے۔قاری عارف صاحب (ایم۔اے،ایم۔او۔ایل) کے ساتھ بندہ کے دو سال کِنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں گزرے۔اُن کے مضمون نے پرانی یادیں تازہ کیں۔

نفیس الحسینی صاحب کی پُر بہار خطاطی اور باغ و بہار کلام رسالہ کے کھلتے پھول ہیں۔

مزید اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ نگرانِ اعلیٰ جانشینِ حافظ الحدیث حضرت مولانا فدا الرحمٰن درخواستی ہیں۔اور ساتھ مولانا مطیع الرحمٰن درخواستی ،مولانا فضل الرحمٰن درخواستی اور مولانا رشید احمد درخواستی مجلسِ مشاورت میں شامل ہیں۔

رسالہ واقعی ایسا ہے کہ ہر گھر میں موجود ہونا چاہئے۔آدمی کا بس چلے تو جتنے بھی رسائل اہلِ حق کے دار العلوموں اور خانقاہوں کے ہیں سب گھر میں آنے چاہئے۔اس سے جہاں گھر میں مفید اصلاحی مضامین داخل ہو جاتے ہیں وہاں معمولی رقم ادا کر کے انسان رسالے کی اشاعت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔امید ہے ہمارے اصحابِ سلسلہ اس رسالہ کی اشاعت میں پوری توجہ فرمائیں گے۔

اکابر علمائے دیوبند کی تواضع:

جناب مفتی فدا محمد صاحب کی کتاب ''اکابر علمائے دیوبند کی تواضع'' آخر چھپ گئی۔پچھلے سال کتاب کا مسودہ ملا تھا جس پر بندہ نے تقریظ لکھی تھی۔جناب مفتی صاحب دار العلوم حقانیہ کے فارغ التحصیل ہیں اور جدید ترتیب کے

مطابق تخصّص فی الفقہ یعنی مفتی کا کورس کئے ہوئے ہیں۔ایک عرصہ سے صوابی ٹوپی کے علاقہ مینئی کے دارالعلوم میں استاد ہیں اور بنین و بنات دونوں اصناف کو پڑھارہے ہیں۔آج کل شیخ الحدیث ہیں۔حضرت مولانا الیاسؒ کی تحریک میں ایک سالہ تربیتی دورانیہ گزارنے کے بعد حضرت مفتی فرید صاحب سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے ہیں اور ان کے خلیفۂ مجاز ہیں۔

عصری تعلیم میں ایف اے اور بی اے فرسٹ ڈویژن میں کئے ہوئے ہیں۔اُن کے اِن کوائف کے بنا پر پشاور یونیورسٹی انہیں بندہ کے ذریعے اپنے ہاں بلانا چاہتی تھی لیکن موصوف نے دین کی خدمت کے ناطے کم معاوضے کو ترجیح دیتے ہوئے دینی لحاظ سے زیادہ فائدے والی جگہ کو ترجیح دی۔اللہ تعالیٰ ان کی قربانی کو قبول فرمائے۔

تصنیف وتالیف تذکیر واشاعتِ دین کا اہم ذریعہ ہے۔تصنیف کا سب سے زیادہ فائدہ مصنف کو ہوتا ہے۔ جتنا عرصہ مواد کی تحقیق میں لگ رہا ہے عبادت میں شمار ہوتا ہے، جتنا مال خرچ ہوتا ہے صدقۂ جاریہ میں شمار ہوتا ہے۔ کتاب اگر فقط ایک آدمی بھی پڑھ لے اور اثر لے لے تو ساری محنت اور خرچ جگہ پر لگ کر انتہائی مفید ثابت ہوا۔اگر کوئی ایک فرد بھی نہ پڑھے تب بھی یہ کتاب ایک قبول عمل کی صورت میں پیش ہو جاتی ہے۔کئی افراد کے مکاشفے اور رویائے صادقہ اس کے بارے میں ہیں کہ کتاب دربارِ رسالت ﷺ میں پیش ہوئی اور حضور ﷺ نے خوشی کا اظہار فرمایا۔یہ بات احادیث میں واضح طور پر آئی ہوئی ہے کہ امت کے اعمال جناب رسول اللہ ﷺ پر پیش ہوتے ہیں۔اس ضمن میں کتاب بھی ایک عمل ہے جس کے پیش ہونے پر کوئی اشکال نہیں ہوسکتا۔فی زمانہ ہماری یونیورسٹیوں میں ہم ایم اے، ایم فِل اور پی ایچ ڈی کے طلباء سے تحقیقی مقالے لکھواتے ہیں۔اگرچہ وہ کم ہی چھاپ کر شائع کئے جاتے ہیں لیکن لکھنے والے کی استعدادِ علمی اور فہم میں خاطر خواہ اضافہ کرتے ہیں۔

تواضع خود ایک انتہائی اہم موضوع ہے اور اخلاقِ فاضلہ کی ایک صنف ہے بلکہ کِبر کا زائل ہونا اور تواضع کا حاصل ہونا آدھا تصوف ہے۔پھر اکابرینِ دیوبند جو علوم ظاہری اور باطنی کے جامع گزرے ہیں ان کی زندگی میں تواضع کی عملی تمثیلیں موجود ہیں اور عملی مثالوں سے مشکل مضامین آسانی سے سمجھ میں آجاتے ہیں۔کتاب پُر تاثیر ہے اور باطن پر واضح اثر کررہی ہے۔اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کی مساعی کو قبول فرما کر اُن کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔

انشاءاللہ آئندہ شمارے سے جناب مفتی صاحب کی تحریر کو قسط وار شائع کیا جائے گا۔

فیضِ اشرف:

حضرت مولانا اشرف سلیمانیؒ کے خلیفہ جناب اختیار الملک صاحب کی کتاب ''فیضِ اشرف'' بذریعہ ڈاک موصول ہوئی۔کتاب جناب مولانا اشرف صاحب کی مختصر سوانح عمری، اختیار الملک صاحب کی مختصر سوانح عمری اور اُن

کے تربیتی خطوط پر مشتمل ہے۔ یہ وہ خطوط ہیں جو اختیار الملک صاحب نے دورانِ تربیت حضرت مولانا اشرف صاحب سلیمانیؒ کو لکھے ہیں اور حضرت مولانا صاحبؒ نے ان کے جوابات لکھے ہیں۔

دونوں سوانح محبت کے جذبے سے لکھی گئی ہیں۔ تربیتی خطوط دراصل اصلاح کی ایک عملی صورت (Practical Demonstration) ہوتے ہیں جن میں حالات کی صورت میں جزئیات اور باریکات آجاتی ہیں۔ اس لئے حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ کے سلسلہ میں خطوط کو بہت اہمیت دی گئی ہے اور کئی مرید محض خطوط کے ذریعے واصل ہوئے ہیں۔ یہی حال ان خطوط کا بھی ہے۔ طالبینِ حق اور اپنی اصلاح میں کوشاں سالکین کے لئے انتہائی مفید ہیں۔ (ادارہ)

★★★★★★★

(صفحہ ۲۰ سے آگے) اس بات کا دونوں طرف کی برادری میں چرچا ہوتا ہے۔ پھر شادی ہوتی ہے جس میں دونوں طرف کے تقریباً سارے رشتہ دار اور علاقے کے تعلق والے لوگ شرکت کرتے ہیں۔ اس طرح سے قائم ہونے والے تعلق میں لڑکا لڑکی دونوں ذمہ داری محسوس کرتے ہیں اور اس تعلق کو حتی الوسع نباہنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ازدواجی تعلقات میں کبھی کبھار تلخیاں آجانا فطری بات ہے۔ اسی طرح بچوں کی پرورش بھی ایک ذمہ داری والا کام ہے۔ اسلامی تعلیمات میں ازدواجی زندگی کی مشکلات اور تلخیوں کو برداشت کرنے اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے پر بہت اجر و ثواب بیان کیا گیا ہے۔ سچ بات ہے اس اجر و ثواب کے دھیان اور آخرت میں ملنے والے انعامات کو یاد کئے بغیر ان تعلقات کو نباہنا مشکل ہے۔ ہمارے ہاں اللہ کے احسان سے ۹۸ فیصد شادیاں نبھ جاتی ہیں اور جو تھوڑی بہت ناکام رہتی ہیں تو وہاں پر بھی شریعت کی تعلیمات سے روگردانی کی گئی ہوتی ہے۔

اسلامی معاشرے میں عمر کے ساتھ ساتھ عزت میں اضافہ ہوتا ہے۔ چنانچہ دادا، دادی اور نانا، نانی بننے کے بعد گھر کے اندر اور باہر لوگ عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ گھر کے ضروری امور میں اُن کی رائے کو مقدم رکھا جاتا ہے۔ اُن کا ہر طرح سے خیال رکھا جاتا ہے۔ یہ ہے وہ اعزاز جس کا ہمارے بوڑھے لطف اٹھاتے ہیں جبکہ اہلِ مغرب کے بوڑھے اس عمر میں دھکے کھاتے ہیں۔ ہم ناقدرے ہیں کہ مغربی دنیا کی ظاہری چمک دمک سے متاثر ہو جاتے ہیں ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ لوگ ہمارے خاندانی نظام (Family System) اور پاکیزہ ماحول کے لئے ترستے ہیں۔

حالتِ نزع (پہلی قسط)

(ڈاکٹر فہیم شاہ، ڈسٹرکٹ سپیشلسٹ، کوہاٹ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے جیسا کہ لوہے کو پانی لگنے سے زنگ لگتا ہے، پوچھا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی صفائی کی کیا صورت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موت کو اکثر یاد کرنا اور قرآن پاک کی تلاوت۔(البیہقی)

ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو واعظ چھوڑتا ہوں، ایک بولنے والا دوسرا خاموش۔ بولنے والا قرآن شریف اور خاموش موت کی یاد۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! موت کو یاد کیا کرو اور اس کو یاد رکھو جو دنیا کی لذتوں کو ختم کر دینے والی ہے۔(جامع ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "موت مومن کا تحفہ ہے"۔(شعب الایمان، البیہقی، معارف الحدیث)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی مجالس میں لذتوں کو مُکَدَّر کرنے والی چیز کا تذکرہ شامل کرلیا کرو، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لذتوں کو مکدر کرنے والی چیز کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موت۔(فضائل صدقات)

ایک حدیث میں ہے کہ موت کو کثرت سے یاد کیا کرو، جو شخص موت کا کثرت سے ذکر کرتا ہے اس کا دل زندہ ہو جاتا ہے اور موت اس پر آسان ہو جاتی ہے۔

امّاں عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کوئی شخص (بغیر شہادت کے بھی) شہیدوں میں شامل ہو سکتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دن رات میں بیس مرتبہ موت کو یاد کرے وہ ہو سکتا ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص پچیس مرتبہ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِيْ فِي الْمَوْتِ وَفِيْ مَابَعْدَ الْمَوْتِ پڑھے وہ شہیدوں کے درجے میں ہو سکتا ہے۔ حضرت امّاں عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک عورت نے اپنے دل کی قساوت کی شکایت کی۔ حضرت امّاں عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ موت کا تذکرہ کثرت سے کیا کرو، دل نرم ہو جائے گا۔ اُنھوں نے ایسا ہی کیا اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں اور اُن کا

بہت بہت شکریہ ادا کیا (احیاء)

ایک حدیث میں ہے کہ نصف شعبان کی رات کو حق تعالیٰ شانہٗ ملک الموت کو اس سال میں مرنے والوں کی اطلاع فرما دیتے ہیں۔

ایسی اور بھی بہت احادیثِ مبارکہ ہیں جن میں موت کا ذکر ہے۔ ہمارے سامنے کئی اموات ہوتی ہیں، کئی مریض مرتے ہیں، لیکن عبرت حاصل نہیں ہوتی۔ مریض پر جب حالتِ نزع طاری ہوتی ہے تو زندگی کا نچوڑ اس کے سامنے آتا ہے جیسی زندگی گزاری تھی ویسی ہی موت آتی ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب آدمی مرنے کے قریب ہوتا ہے اس وقت اس کے ہم مجلسوں کی صورتیں اس کے سامنے کی جاتی ہیں، اگر اس کا بیٹھنا اُٹھنا نیک لوگوں کے پاس ہوتا ہے تو یہ مجمع سامنے لایا جاتا ہے، اور اگر فاسق فاجر لوگوں کے پاس ہوتا ہے تو وہ لوگ سامنے لائے جاتے ہیں۔ لوگ کیسے مرتے ہیں، ان پر حالتِ نزع کتنی دیر کے لیے ہوتی ہے ان کی زندگی کا رُخ کس نہج پر گزرتا ہے۔ اس کی معلومات کچھ نہ کچھ اکٹھی کر کے اپنے شیخ ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ کی خواہش پر ہدیہ قارئین کر رہا ہوں، اس نیت سے کہ شاید ہمارے سیاہ دل اللہ کی طرف متوجہ ہو جائیں اور معرفتِ الٰہی نصیب ہو جائے۔

سب سے پہلے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتا ہوں جن کے دنیا سے پردہ فرمانے سے ساری زمین کی رونق چلی گئی، اپنے آخری وقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پاس بلایا تو اس وقت شدید کرب سے دوچار تھے اسے دیکھ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بے ساختہ پکار اُٹھیں۔ وَاکَرَبَ اَبَاہُ! ''ہائے ابا جان کی تکلیف'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تمھارے ابا پر آج کے بعد کوئی تکلیف نہیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن وحسین رضی اللہ عنہم کو بلا کر چوما اور ان کے بارے میں خیر کی وصیت فرمائی۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو بلایا اور انہیں وعظ ونصیحت فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی وصیت فرمائی۔ فرمایا ''اَلصَّلَاۃَ اَلصَّلَاۃَ وَمَامَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ'' نماز، نماز اور تمھارے زیرِ دست (یعنی لونڈی، غلام)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ کئی بار دہرائے۔ پھر نزع کی حالت شروع ہو گئی اور حضرت اماں عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے اوپر ٹیک لگوا دی۔ ان کا بیان ہے کہ اللہ کی ایک نعمت مجھ پر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر میں میرے باری کے دن میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے وفات پائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے وقت اللہ نے میرا لعاب اور آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کا لعاب اکٹھا کر دیا۔ ہوا یہ کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ آپ کے پاس تشریف لائے ان کے ہاتھ میں مسواک تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے، میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کی طرف دیکھ رہے ہیں، میں سمجھ گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسواک چاہتے ہیں، میں نے پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لے لوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک سے اشارہ فرمایا کہ ہاں۔ میں نے مسواک لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کڑوی محسوس ہوئی۔ میں نے کہا اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نرم کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک کے اشارہ سے کہا ہاں۔ میں نے مسواک نرم کر دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت اچھی طرح مسواک کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کٹورے میں پانی تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پانی میں دونوں ہاتھ ڈال کر چہرہ پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے **لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ**، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ موت کے لیے سختیاں ہیں۔ مسواک سے فارغ ہوتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ یا اُنگلی اُٹھائی نگاہ چھت کی طرف بلند کی اور دونوں ہونٹوں پر کچھ حرکت ہوئی۔ حضرت اماں عائشہ رضی اللہ عنہا نے کان لگایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے ''اُن انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ہمراہ جنہیں تو نے انعام سے نوازا۔ اے اللہ مجھے بخش دے مجھ پر رحم کر اور مجھے رفیقِ اعلیٰ میں پہنچا دے۔ اے اللہ رفیقِ اعلیٰ۔ آخری فقرہ تین بار دہرایا اور اسی وقت ہاتھ جھک گیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرطِ غم سے فرمایا

یَا اَبَتَاہُ اَجَابَ رَبًّا دَعَاہُ ، یَا اَبَتَاہُ مَنْ جَنَّۃُ الْفِرْدُوْسِ مَاوَاہُ ، یَا اَبَتَاہُ اِلٰی جِبْرِیْل نَنْعَاہُ

''ہائے ابّا جان! جنہوں نے پروردگار کی پکار پر لبیک کہا، ہائے ابّا جان! جن کا ٹھکانہ جنت الفردوس ہے، ہائے ابّا جان! ہم جبریل علیہ السلام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی خبر دیتے ہیں۔'' (باقی آئندہ)

ایک مرتبہ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ اپنے چند دوستوں کے ساتھ خانقاہ تھانہ بھون میں حاضر ہوئے۔ انہیں آتا دیکھ کر حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ انجن تو چھوٹا سا ہے مگر گاڑیاں بہت سی کھینچے لا رہا ہے۔

(اشرف اللّطائف)

جدید معاشرہ

(ڈاکٹر محمد طارق، شعبۂ فزیالوجی، کبیر میڈیکل کالج، پشاور)

ویٹیکان سٹی (Vitican City) میں ''موجودہ ہنگامہ خیز دور میں بچوں اور نوجوانوں کے ساتھ اظہارِ یکجہتی'' کے موضوع پر اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے پوپ بینیڈکٹ (Benedict) نے کہا ہے کہ ترقیافتہ ممالک میں گرتی ہوئی شرحِ پیدائش کی وجہ محبت سے خالی تعلقات ہو سکتے ہیں۔ پوپ نے یہ بھی کہا کہ محبت اور اخلاقی رہنمائی کی کمی آئندہ نسلوں کی ذہنی اور روحانی ترقی کو متاثر کرے گی۔ پوپ نے مزید کہا کہ محبت کی کمی ہی لوگوں کی شادیاں نہ کرنے، شادیاں ناکام ہونے اور شرحِ پیدائش کم ہونے کی بنیادی وجہ ہے۔ محبت اور اُمید کی یہ قلت سب سے پہلے بچوں اور نوجوانوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ تیز رفتار عالمگیریت کی دنیا میں بچوں اور نوجوانوں کی اکثریت مادیت پرستی سے دوچار ہے۔

(روزنامہ دی نیوز، ۲۹ اپریل ۲۰۰۶ء)

تمام ذرائع ابلاغ مغربی دنیا کی ظاہری چکاچوند سے ہماری آنکھوں کو خیرہ کر رہے ہیں۔ اور ان کے معاشرے کے منفی پہلو اور اُس کی قباحتوں کو وہ ہمارے سامنے نہیں لاتے۔ وہاں سے آنے والے لوگوں سے وہاں کے صحیح حالات معلوم ہوتے رہتے ہیں۔ اور اُوپر کی خبر میں خود اُن کے مذہبی رہنما نے اِس بات کا اقرار کیا ہے کہ اُن کی آئندہ نسلوں کو ذہنی اور روحانی گراوٹ کا خطرہ درپیش ہے۔ حالانکہ اب بھی اس لحاظ سے وہاں بہت ابتر صورتحال ہے۔ ازدواجی تعلقات کی تلخیوں کے خوف سے لوگ شادی ہی نہیں کرتے اور جوڑے بغیر نکاح کے ساتھ رہ رہے ہوتے ہیں اور جب جی چاہا ایک دوسرے کو چھوڑ دیا۔ بچوں کی پرورش اور تربیت کی ذمہ داری سے بچنے کے لئے منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ اور جن کے بچے ہو جاتے ہیں تو وہ اُن کی پرورش اور تربیت کا پورا خیال نہیں رکھتے۔ لہٰذا اِس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچے بالغ ہوتے ہی ماں باپ کا گھر چھوڑ دیتے ہیں۔ اور کتے بلی کی زندگی گزارتے ہیں۔ یہ لوگ بوڑھے ہو جائیں تو کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا اور بوڑھوں کی پناہ گاہوں (Old Age Homes) میں رہتے ہیں اور کسی سے بات کرنے کو ترستے ہیں۔ اس کے علاوہ معاشرے میں بے راہ روی اور اخلاقی گراوٹ کی ایسی صورتحال ہے کہ الامان والحفیظ۔

اس کے برعکس ہمارے اسلامی معاشرے کی کچھ اقدار ہیں۔ شادی یہ نہیں کہ لڑکے لڑکی نے آپس میں فیصلہ کر لیا اور ساتھ رہنے لگے۔ بلکہ پہلے لڑکے کے والدین لڑکی والوں کے ہاں رشتہ لے کر جاتے ہیں۔ لڑکی والے پوری تسلی کرنے کے بعد رشتہ کے لئے اقرار کرتے ہیں۔ (باقی صفحہ ۱۶ پر)

رزقِ حلال کی برکت

(انجینئر نجیب الدین محمد کا انتخاب از خطباتِ حکیم الاسلام)

حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، امیر عبدالرحمٰن والی کابل کے دادا امیر دوست محمد کا واقعہ ہے کہ اس کے ملک پر کسی نے چڑھائی کی۔ اس کی سرکوبی کے لیے اس نے ایک فوج اپنے ولی عہد شہزادے کے ہاتھ بھیجی، دو تین دن کے بعد اطلاع آئی کہ شہزادے کو شکست ہوئی اور وہ دوڑتا ہوا آرہا ہے اور دشمن اسکے پیچھے ہے۔ بادشاہ کو بہت صدمہ ہوا اور کئی غم سوار ہوئے، شکست کا غم، شہزادے کی کمزوری اور قوم کی ملامت کا غم۔ اس غم میں گھر آیا اور بیگم کو تمام قصہ سنایا، بیگم نے سنتے ہی کہا کہ یہ خبر غلط ہے، امیر نے کہا سی آئی ڈی کی رپورٹ ہے کیسے غلط ہوسکتی ہے، مگر بیگم نہ مانی۔ امیر گھر سے نکل آیا، دوسرے دن اطلاع آئی کہ پہلی خبر غلط تھی، شہزادہ فاتح واپس آرہا ہے، امیر بڑا خوش ہوا اور بیگم کو خبر سنائی۔ اُس نے بھی شہزادے کی سلامتی اور فتح یابی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، بادشاہ نے پوچھا کہ تجھے پہلے کیسے پتا چلا کہ شہزادے نے شکست نہیں کھائی کہ تو نے میری حکومت وسی آئی ڈی کی رپورٹ کو جھٹلا دیا۔

اُس نے کہا کچھ نہیں، صرف اللہ تعالیٰ کی ذات نے میری لاج رکھ لی، یہ میرا راز ہے، میں اس کو فاش کرنا نہیں چاہتی، آخر اصرار کرنے پر بتایا کہ جب یہ شہزادہ میرے پیٹ میں تھا تو میں نے اُس وقت سے عہد کرلیا تھا کہ میرے پیٹ میں مشتبہ لقمہ نہیں آنا چاہیے، اس لیے کہ حلال غذا سے اچھی طبیعت اور اچھے اخلاق بنتے ہیں اور حرام غذا سے طبیعت فاسد ہوتی ہے اور اخلاق رذیلہ پیدا ہوتے ہیں۔ یہ شہزادہ نو ماہ تک میرے پیٹ میں رہا اور ایک لقمہ غذا کا میں نے ایسا نہیں کھایا جو مشتبہ ہو، اس لیے اس کے اخلاق رذیل اور بُرے نہیں ہوسکتے، شہید ہونا اچھا خُلق ہے اور پشت پھیرنا رذیل خلق، تو شہزادہ شہید تو ہوسکتا ہے مگر پشت پھیر کر فرار نہیں ہوسکتا۔ اور پھر اس پر بھی بس نہیں، بلکہ جب یہ شہزادہ پیدا ہوا تب بھی مشتبہ غذا استعمال نہیں کی اور جب دودھ پلاتی تو وضو کر کے اور دو رکعت نفل ادا کر کے پلاتی، ایسا شہزادہ میدانِ جنگ میں سینے پر گولی کھا کر شہید تو ہو سکتا ہے مگر بزدلی سے پیٹھ پھیر کر میدانِ جنگ سے بھاگ نہیں سکتا، لہٰذا میں نے تمھاری ساری فوج اور حکومت کی بات کو جھٹلایا مگر اپنے قول سے باز نہ آئی۔

مشائخ اور سالکین کے لئے حفظانِ صحت کی اھمیت

(ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ)

صحت ایک ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے آدمی دین ودنیا کے ضروری کاموں کو بخوبی انجام دے سکتا ہے۔آیت وَ لا تُلقُوْبِاَیْدِیْکُمْ اِلیَ التَّھْلُکَۃ. اگر چہ ایک خاص شانِ نزول کے ساتھ ہے لیکن عمومی مطلب میں ان سارے ذرائع سے اپنے آپ کو بچانا ہے، جو کسی طرح بھی نقصان کا ذریعہ بن رہے ہوں۔

چنانچہ ایک چیز جس سے ہم فائدہ لیتے ہیں مجاہدہ ہے۔مجاہدہ بنیادی طور پر کسی کام کو پوری کوشش بروئے کارلاتے ہوئے اور تکلیف اُٹھاتے ہوئے کرنے کا نام ہے۔شریعت میں مجاہدہ اتنا ہی ہے کہ فرائض، واجبات و سننِ مؤکدہ کو کرنے میں جو ناموافق حالات اور تکالیف سامنے آئیں ان کو برداشت کرنا۔اسی طرح گناہ یعنی حرام ومکروہِ تحریمی سے بچتے ہوئے جو مشکلات درپیش ہوں ان کو برداشت کرنا۔

اس سے آگے ایک مجاہدہ صوفیاء کرواتے ہیں جو دراصل شرعی مجاہدہ نہیں۔ بلکہ تصوف وسلوک کا معالجہ ہے۔جس میں مختلف مشقوں اور مشقتوں سے گزار کر سالک کے نفس کو منقاد (تابعدار) بنایا جاتا ہے۔ نیز قرب بالنوافل میں کوشش کروائی جاتی ہے۔ان میں بعض اوقات غلو ہو جاتا ہے اور سالکین کی ذہنی اور جسمانی صحت کو نقصان ہو جاتا ہے۔جس سے ضعف ہو کر فرائض وواجبات کی ادائیگی مشکل ہو جاتی ہے۔آدمی اپنے ضروری دنیا کے کاموں کے لئے مستعد (Fit) نہیں رہتا اور اسے اور اس کے بال بچوں کو معاشی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے محتاط و محققین مشائخ سالکین کو اعتدال سے چلاتے ہیں۔تاکہ ہشاش بشاش رہتے ہوئے اپنی معاشی وازدواجی ذمہ داریوں کو پورا کرتے ہوئے سہولت سے منزل طے کرلیں۔

ایک بات یہ بھی اہم ہے کہ قرآن مجید نے خوف، شوق، مثالوں، کہاوتوں اور واقعات کو ملا جلا کر عقائد اور عبادات ومعاملات واخلاقیات ومعاشرت کے احکام کو ان میں خوبصورتی سے پرویا ہے۔نہ خوف اتنا زیادہ بیان ہوا ہے کہ معطل (Depress) کردے، نہ اُمید اتنی زیادہ کہ بے احتیاط کردے بلکہ ایک عجیب توازن ہے۔

اسی طرح وہ مشائخ جو اکثر خوف، اور رقت وسوز وگداز کے مضامین ہی بیان کریں اور دل کمزور ہو تو ان کے اپنے اور مریدوں کے دل کا مریض بننے کا خطرہ ہوتا ہے۔ چنانچہ بندہ نے کاملین مشائخ اور خود اپنے شیخ حضرت مولانا اشرف سلیمانیؒ کو دیکھا کہ لطائف وظرائف کے ذریعے مجلس کو گل وگلزار اور باغ وبہار بنا دیتے تھے۔فی زمانہ صحتیں بہت کمزور ہیں۔اس لئے ہر چیز میں اعتدال کی بہت ضرورت ہے۔

مذاہب کی ہم آہنگی

(تبصرہ از ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ)

آج کل مغرب کی طرف سے ایک تحریک کا آغاز کیا گیا ہے جسے ''مذاہب کی ہم آہنگی'' کہتے ہیں۔ اُن کا تجربہ ہے کہ مذاہب انسانوں کو ایک جگہ جمع کر کے اُن کو ایک تحریک اور قوت بننے میں بڑا کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ قوت کسی بھی وقت دوسری قوتوں کو مغلوب کر سکتی ہے۔ اس سلسلے میں سب سے کامیاب وہ مذہب ہو سکتا ہے جس کی بنیاد عقلی اور منطقی دلائل پر ہو۔ یہ بات بفضلہٖ تعالیٰ ہر دور میں اسلام کو ہی حاصل رہی۔ موجودہ دور میں سارے مذاہب پر جب نظر ڈالی جائے تو اسلام کے علاوہ باقی مذاہب کی کتابیں، عبادت گاہیں اور تنخواہ دار مذہبی شخصیتیں تو موجود ہیں لیکن اُن مذاہب کے عقائد اور اعمال ناپید ہو چکے ہیں۔ نفس کی چاہت والی زندگی کے مقابلے میں یہ لوگ مذہبی پابندیوں کو خیر باد کہہ چکے ہیں۔ بجائے اس کے کہ وہ اسلام کی حقانیت کو تسلیم کریں اور اس کے رحمت والے اعمال کو اختیار کر کے دنیا اور آخرت کی کامیابیوں سے ہمکنار ہوں، اُنکو بہتری اسی میں نظر آئی کہ اس واضح، حق اور روشن دین کا ہی خاتمہ کر لیں تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔ اُن کے دین تو عالمِ انسانیت کو متاثر نہیں کر سکتے۔ جو دین جاندار ہے اُسی کا خاتمہ اُن کے مفاد میں ہے۔ ''مذاہب کی ہم آہنگی'' کی تحریک مذہبوں کا ایسا ملغوبہ بنانے کے لئے ہے جس کے نتیجے میں انسانوں کی نظر حق سے ہٹ کر اُس غیر معیاری ملغوبے کی طرف آجائے۔

اسی سلسلے میں ایک تقریب منعقد ہوئی جس میں نیدرلینڈز کے وزیرِ خارجہ نے ''مذاہب کی ہم آہنگی'' کے موضوع پر تقریر کرنی تھی۔ اس تقریب میں ایک تقریر جناب مسرت حسین شاہ صاحب، پروفیسر شعبۂ انگریزی اور سابق پرنسپل اسلامیہ کالج پشاور، کی تھی۔ پروفیسر صاحب پشاور کی مشہور و معروف شخصیت حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ کے خلیفۂ ارشد ہیں اور موجودہ دور میں قدیم و جدید کا مجموعہ دانشور ہیں۔

نیدرلینڈز کے وزیرِ خارجہ نے اپنی تقریر کا آغاز کیا جس میں اُنہوں نے بجائے ''ہم آہنگی'' کے موضوع کے اس بات پر ہی زیادہ بحث کی کہ عراق، افغانستان میں جو حالات ہیں اُن کے سلسلے میں مغرب مقامی علاقوں کی بہتری کے لئے کیا پیش رفت کر رہا ہے۔ آخر میں تھوڑا سا تذکرہ اُنہوں نے ''ہم آہنگی'' کا بھی کیا۔ تقریر کے بعد اُن پر سوالات کی بوچھاڑ ہوئی۔ خاص طور سے لوگوں نے یہ پوچھا کہ حق اور انصاف کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ کسی کو سزا دینے سے پہلے تحقیقات کر کے ٹھوس ثبوت فراہم کرنے ہوتے ہیں جبکہ یہ ٹھوس ثبوت ابھی تک عراق کے بارے میں سامنے نہ لائے جا سکے۔ اسی طرح کے اور سوالات تھے۔ چونکہ باطل اور ظلم و عدوان کے پاس دلائل نہیں ہوتے معزز وزیرِ خارجہ صاحب آئیں، بائیں، شائیں کرتے رہے اور بغلیں جھانکتے رہے۔ موقع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے جناب پروفیسر مسرت صاحب نے سوال

جواب کا خاتمہ کرتے ہوئے اپنی تقریر شروع کی ۔ یہ تقریر سارے سوالوں کا جواب تھی۔توہینِ رسالت کے مضمون کو تو پروفیسر صاحب نے عشقِ رسول ؐ میں ڈوب کر ایسے الفاظ میں پیش کیا کہ مجمع پر رقت وگریہ (رونا) طاری ہوا اور جذبات کی شدت کی وجہ سے مجمع نے تالیاں بجا بجا کر ہال کو سر پر اُٹھا لیا۔

پروفیسر صاحب ادارہ اشرفیہ عزیزیہ کی قابلِ قدر شخصیت ہونے کے علاوہ انگریزی ادب کی قابلِ فخر شخصیت بھی ہیں۔اس لئے اُن کی تقریر کو انگریزی میں ہی پیش کیا جارہا ہے جو انگریزی ذوق والوں کے لئے بہت پرکشش ہے۔ ساتھ ہی اُس کا اردو ترجمہ بھی شائع کیا جارہا ہے تاکہ اردو والے بھی اِس عظیم سرمائے سے محروم نہ رہیں۔

INTER-FAITH HARMONY

(Professor Mussarat Hussain Shah)

"For centuries Asia has suffered under the insolence of the White man. I have myself seen this insolence displayed in ways that made my blood boil and that, if I had been an Asian and not a European, would have roused me to fury." It is not me, it is Bertrand Russell.

Your Excellency, Thank you for having come to a people deeply hurt. We for five generations have been beaten and starved and robbed and despised and frightened by the White. For half of my life-time, I have seen my people being killed and maimed and tortured and insulted and driven to madness by and for the White. Some White thought of reaching the warm waters while others wanted them not to. Ever since, not a day has passed when Muslim blood, when Pukhtoon blood has not been spilt. Organized butchery is going on even today.To justify this slaughter, the Muslim and his religion are being demonized. Demonizing is nothing new. The sweetest person that ever lived

on this Earth too was demonized and by no strangers. The perpetrators were his own maternal cousins. They almost got him crucified by the Romans. I say almost because, according to the Holy Quran, he was raised to the heavens before crucifixion.

For the Muslims, Jesus Christ, peace be upon him, is the expression of the Attributes of Beauty of the Almighty and Holy Prophet Moses, peace be upon him, of Grandeur. Holy Prophet Muhammad, peace be upon him, both of Beauty and Grandeur.

The return of this sweetest person is awaited, both the Christians and Muslims are looking forward to the Second Coming.

Since the Sixteenth century, the West has been shaping the world. The White man was quite comfortable when he was wiping out the native populations of the Americas and Australia and carrying on large scale killing in Africa and Asia and considering all the 'victories' a gift of God. He thought he was carrying out a religious responsibility called the "Whiteman's Burden".

But he was shaken when wars came to Europe. The White killing the White, especially the Christian White killing the Christian White, shook him.

The First World War shook the faith of many in religion. The Second made the religious think that only Jesus could set things right. To quicken his return they chose to set up a decoy.

The religious prediction was that he would return at a time when the Jews would be in Palestine. Unholy means were adopted for a holy end. An artificial state was created which rendered the local majority into a minority and drove out people with their roots in the Holy Land making them refugees. Many a Jew believes that the promised Messiah will take them to the Holy Land. They find it too early to go there. The birth-place of the most peace loving person is yet to see peace. Was it the thirst for Muslim blood or Arab oil that Iraq was occupied?

Without any gift of prophecy one can predict the next ethnic cleansing in Bosnia by 2020. In the last one, civil war was allowed to ravage till the whole young generation was slain. The children spared will have come of age by then and a new crop of Muslim heads will be available for harvest. The exterminator is kinder than Changhez Khan. He does not raise mounds of heads; only makes mass graves.

We were talking of demonizing. Christians have killed millions in history. Buddhists have killed millions in history, the Hindus have killed millions in history. But none of these religions have been demonized. As I said in the beginning, we are a deeply hurt people. What has hurt us the most is what the Danish cartoonist and the irresponsible media did. Please tell your community for us that they better kill us instead of making fun of our Prophet. We love him more than our children, our

parents and ourselves. They may no longer have the capacity to revere, but they should spare our feelings if they have an iota of humanity, civility or decency.

Your Excellency, we are earnestly thankful for your having chosen to meet us. Interfaith Harmony is the need of the time. Should we only wait for the Promised One to come and set things right? Can't those who feel for humanity irrespective of colour or creed do something positive?

The essence of religion is service to humanity for the love of God. Raw human nature is full of arrogance and avarice. These lead to injustice. Injustice produces hunger and fear. Hunger and fear are the greatest problems the mankind is facing today. And both are man made.

True religious sentiment purifies human nature. Let us utilize the humanizing elements in religions to promote justice. Justice promotes dignified humility and unconditional generosity.

Those who desire interfaith harmony will have to tread their path like a minefield. Appropriate parameters have to be set first. Let's take inspiration from the Final Word of God.The Holy Quran invites the People of the Book to unite on a common ground: "Say, O followers of earlier Revelation! Come to common terms as between us and you; that we worship none but Allah, and that we associate no partners with Him and that we shall not take human beings for our lords beside Allah......"

(Surah-III-64)

The inference is that there could be grounds for cooperation on absolute realities. The basis for mutual cooperation have been clearly spelt out, " ...but rather help one another in furthering virtue and God-consciousness and do not help one another in furthering evil and enmity and remain conscious of God...."

(Surah V -2)

The Holy Quran does not allow an amalgamation of religions: "Never will the Jews or the Christians be satisfied with you unless you follow their form of religion. Say, 'behold, God's guidance is the only true guidance." (Suarh II-120)

Interfaith harmony does not mean the amalgamation of religions, like ESPERANTO is of languages. Identity of religions must be maintained.

According to the Holy Quran, establishment of justice has been the purpose of the Messengers of Allah,. "We verily sent Our messengers with clear proofs, and revealed with them the Scripture and the Balance, so that men might behave with equity....". (Surah LVII-25.)

The Muslims believe in almost a hundred and twenty four thousand such messengers; some known and some unknown. We have reasons to believe that Buddha too was one. Hinduism though apparently polytheistic, is basically pantheistic-ally monotheistic. India too must have had its prophets. Justice is

promoted through enjoining right and forbidding wrong. The Holy Quran says, "Those who shall follow the Last Apostle, the unlettered Prophet, whom they shall find described in the Torah and in the Gospel; the Prophet who will enjoin upon them the doing of what is right and forbid them the doing of what is wrong, and make lawful to them the good things of life......"

(Surah-VII-157)

What needs to be done is that all those who are interested in interfaith harmony should sit together and make a list of virtues and vices that are virtues and vices in all religions. I have no hesitation in saying that there can't be two opinions that justice is the greatest virtue and injustice the greatest vice. The religious of all the religions should join hands to promote justice and eliminate injustice for all humanity irrespective of caste, colour and creed.

If humanity is purified, through formal and informal education, of arrogance and avarice and justice is established, who will be shackled and who jailed, who will fight and for what? Won't the Kingdom of God be thus established?

(ترجمہ ڈاکٹر فدا محمد دامت برکاتہٗ اور ڈاکٹر محمد طارق)

’’صدیوں سے ایشیا گوروں (سفید فام) کے گستاخانہ رویہ کا شکار رہے۔ میں نے اس گستاخانہ رویے کے کئی طریقوں سے مظاہرے دیکھے جس سے میرا خون کھولا اور اگر میں یورپین نہ ہوتا بلکہ ایشین ہوتا تو یہ چیز میرے جذبۂ غضب کو اشتعال دیتی۔‘‘ یہ میں نہیں بلکہ برٹرینڈ رسل (مشہور مغربی فلاسفر) کہہ رہا ہے۔

عالیجاہ! آپ کا شکریہ کہ آپ ایسے لوگوں کے پاس آئے جن کے جذبات شدت سے مجروح ہیں۔ پانچ نسلوں

سے ہمیں گوروں کے ہاتھوں مارا گیا، فاقہ میں مبتلا کیا گیا، لوٹا گیا، ذلیل کیا گیا اور ہراساں کیا گیا۔ اپنی آدھی زندگی کے دوران میں نے اپنے لوگوں کو گورے کے ہاتھوں گورے کے مفاد کے لیے قتل ہوتے، اپاہج ہوتے، اذیت اُٹھاتے، بے عزت ہوتے اور پاگل پنے کی طرف دھکیلے جاتے ہوئے دیکھا۔ بعض گوروں نے گرم پانیوں تک پہنچنے کی سوچی جبکہ دوسروں نے اس کو روکنا چاہا۔

ہمیشہ سے کوئی ایسا دن نہیں گزرا جبکہ مسلمان خون اور مسلمان پختون خون نہیں بہایا گیا ہو۔ ہر روز منظّم قصابی روبہ عمل (جاری) ہے۔ اس قصابی کے جواز کے لیے مسلمان اور اس کے مذہب کو ہوّا اور بھوت بنایا جارہا ہے۔ یہ ہوّا ابنانا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ روئے زمین پر آنے والی محبوب شخصیت (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو ہوّا ابنا کر پیش کیا گیا۔ اور اس کا ارتکاب کرنے والے کوئی غیر نہیں بلکہ اُن کے اپنے ماموں زاد تھے۔ اُنھوں نے اپنے خیال میں اُنھیں رومیوں کے ہاتھوں پھانسی چڑھا دیا۔ اپنے خیال میں اس لیے کہتا ہوں کہ قرآن مجید کے مطابق اُنہیں پھانسی سے پہلے آسمانوں پر اُٹھا لیا گیا۔ مسلمانوں کے نزدیک یسوع مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی صفتِ جمال کا مظہر ہیں اور موسیٰ علیہ السلام جلال کا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جلال و جمال دونوں کا مظہر ہیں۔

اس محبوب شخصیت (عیسیٰ علیہ السلام) کی دوباہ آمد کا انتظار ہے۔ مسلمان اور عیسائی اُن کی دوبارہ آمد کے منتظر ہیں۔ سولہویں صدی سے مغرب دنیا میں ردوبدل کررہا ہے۔ گورا بڑے مزوں میں تھا جب وہ امریکہ اور آسٹریلیا سے مقامی آبادی کو ناپید کرکے افریقہ اور ایشیا میں وسیع پیمانے پر گشت وخون کرکے اُن ساری فتوحات کو اللہ کا تحفہ سمجھتے تھے۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ وہ ایک مذہبی فریضہ انجام دے رہا ہے جسے وہ ''گورے کا بوجھ'' کہتا تھا۔ لیکن یورپ میں جنگوں کے آغاز نے اُس کو ہلا دیا۔ گورا گورے کو قتل کررہا تھا، خاص طور سے گورا عیسائی گورے عیسائی کو قتل کررہا تھا، اس نے اُسے لرزا دیا۔

پہلی جنگِ عظیم نے کئیوں کا مذہبی عقیدہ متزلزل کیا۔ دوسری جنگِ عظیم نے مذہبی لوگوں کو سوچنے پر مجبور کیا کہ مسیح علیہ السلام ہی حالات کو درست کرسکتے ہیں۔ اُن کی جلد آمد کے لیے اُنہوں ایک پھندا بنایا۔ مذہبی پیشن گوئی یہ تھی کہ اُن کی آمد کے وقت یہود فلسطین میں ہوں گے۔ اس مقدس انجام کے لیے غیر مقدس ذرائع اختیار کیے گئے۔ ایک خودساختہ ریاست (اسرائیل) بنائی گئی، جس کے ذریعے ارضِ مقدس سے مقامی اکثریت کی جڑیں کاٹ کر اُنہیں اقلیت میں بدل کر مہاجر بنا دیا گیا۔ اکثر یہود کا عقیدہ ہے کہ مسیح موعود اُنہیں ارضِ مقدس لے جائیں گے۔ اُن کے نزدیک وہاں جانا قبل از وقت ہے۔ بہت زیادہ امن پسند شخصیت (حضرت عیسیٰؑ) کی جائے پیدائش امن دیکھنے کی منتظر ہے۔

کیا یہ مسلمان خون کی پیاس تھی یا عرب تیل کی کہ عراق پر قبضہ کیا گیا۔ پیشن گوئی کے تحفہ کے بغیر آدمی بوسنیا میں

۲۰۲۰ء میں دوسری عقائد کی تطہیر کی پیشن گوئی کرسکتا ہے۔ پچھلی دفعہ (بوسنیا میں) خانہ جنگی اور غارت گری کی کھلی چھٹی دی گئی یہاں تک کہ ساری نوجوان نسل قتل کردی گئی۔ جو بچے چھوڑ دئے گئے ۲۰۲۰ء تک وہ اس عمر کو پہنچ جائیں گے کہ مسلمان سروں کی ایک اور فصل کٹائی کے لئے مہیا ہوگی۔ یہ جڑیں کاٹنے والا چنگیز خان کے مقابلے میں مہربان ہے کیونکہ یہ سروں کی برجیاں نہیں کھڑی کرتا بلکہ صرف اجتماعی قبریں بناتا ہے۔

ہم ہوّا کھڑا کرنے کی بات کررہے تھے۔ عیسائیوں نے تاریخ میں لاکھوں قتل کئے ہیں، بدھوں نے لاکھوں قتل کئے ہیں، ہندوؤں نے لاکھوں قتل کئے ہیں لیکن ان میں سے کسی مذہب کا ہوّا نہیں کھڑا کیا گیا۔ جیسا میں نے شروع میں کہا کہ ہم شدید دکھیا لوگ ہیں۔ جس بات نے ہمیں شدید اذیت اور دکھ دیا ہے وہ ڈنمارک کا کارٹونسٹ اور غیر ذمہ دار ڈینش ذرائع ابلاغ ہیں۔ برائے مہربانی اپنے لوگوں کو ہماری طرف سے کہئے کہ ہمارے پیغمبر ﷺ کی توہین اور تضحیک کے بجائے وہ ہمیں قتل کردیں۔ ہم تو اُن (محمدؐ) کو اپنی اولاد، اپنے والدین بلکہ اپنی جانوں سے زیادہ چاہتے ہیں۔ اُن (توہینِ رسالت کرنے والوں) کے پاس تو تعظیم، احترام اور ادب کی گنجائش نہیں ہے لیکن اگر اُن کے پاس ذرا بھی انسانیت، تہذیب اور شائستگی ہے تو وہ ہمارے جذبات کو نہ چھیڑیں۔

جنابِ والا ہم سنجیدگی سے آپ کے ہمارے ساتھ ملاقات کرنے کے شکرگزار ہیں۔ ’عقائد کی ہم آہنگی‘ وقت کی ضرورت ہے۔ کیا ہمیں مسیح موعود کے آنے اور حالات کے درست کرنے کا انتظار کرنا چاہئے؟ یا کیا وہ لوگ جو انسانیت کا درد رنگ و نسل سے بالا ہوکر رکھتے ہیں کچھ مثبت اقدام کریں؟

مذاہب کا جوہر اللہ کی رضا کے لئے انسانیت کی خدمت ہے۔ خام انسانی فطرت تکبر اور حرص سے بھری ہوئی ہے۔ یہ چیز بے انصافی کی طرف لے جاتی ہے۔ بے انصافی خوف اور فاقہ پیدا کرتی ہے۔ خوف اور فاقہ دو بڑے مسائل ہیں جن کا آج انسانیت کو سامنا ہے۔ اور دونوں انسان کے پیدا کردہ ہیں۔

سچے مذہبی جذبات انسان کی فطرت کو پاک کرتے ہیں۔ آیئے کہ ہم انصاف قائم کرنے کے لئے مذاہب کے انسانیت ساز عناصر کو استعمال کریں۔ انصاف باوقار عاجزی اور غیر مشروط سخاوت کی تائید کرتا ہے۔

جو لوگ ’عقائد کی ہم آہنگی‘ چاہتے ہیں انہیں ایسے راستہ طے کرنا ہوگا جیسے بارودی سرنگوں کے میدان میں۔ پہلے مناسب پیمانے متعین کرنے پڑیں گے۔ آیئے کہ ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کے آخری پیغام سے فیضان لیں۔

قرآنِ عظیم اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کو ایک مشترکہ موضوع پر متحد ہونے کی دعوت دیتا ہے۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ (ال عمران۔۶۴)

ترجمہ: تو کہہ اے اہلِ کتاب آؤ ایک بات کی طرف جو برابر ہے ہم میں اور تم میں کہ بندگی نہ کریں ہم مگر اللہ کی اور شریک نہ ٹھہراویں اُس کا کسی کو اور نہ بناوے کوئی کسی کو رب سوائے اللہ کے۔ (تفسیرِ عثمانی)

نتیجۃً قطعی حقائق میں تعاون کی بنیادیں ہوسکتی ہیں۔ باہمی تعاون کی بنیادیں واضح طور پر بتادی گئی ہیں۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ص وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ص وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط (المآئدۃ۔۲)

ترجمہ: اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر اور ڈرتے رہو اللہ سے۔

قرآن مجید مذاہب کا ملغوبہ بنانے کی اجازت نہیں دیتا۔

وَ لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ط قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى. (البقرۃ۔۱۲۰)

ترجمہ: اور ہرگز راضی نہ ہونگے تجھ سے یہود اور نہ نصارٰی جب تک تو تابع نہ ہو اُن کے دین کا۔ تُو کہہ دے جو اللہ بتلاوے وہی راہ سیدھی ہے۔ (تفسیرِ عثمانی)

'عقائد کی ہم آہنگی' کا مطلب مذاہب کا ملغوبہ نہیں جس طرح (ESPERANTO) اسپرانتو زبانوں کا۔ مذاہب کا تشخص ضرور قائم رکھا جائے گا۔ قرآن ذی شان کے مطابق اللہ کے پیغمبروں کا مقصد انصاف کا قیام رہا ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ج (الحدید۔۲۵)

ترجمہ: ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں دے کر اور اُتاری اُن کے ساتھ کتاب اور ترازو تاکہ لوگ سیدھے رہیں انصاف پر۔ (تفسیرِ عثمانی)

مسلمان اس طرح کے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام میں یقین رکھتے ہیں۔ بعض معلوم ہیں اور بعض معلوم نہیں ہیں۔ ہمارے پاس یقین کرنے کے لئے دلائل ہیں کہ بدھ بھی اُن میں سے ایک تھے۔ ہندو مذہب جو بظاہر مشرکانہ ہے بنیادی طور پر کثرت میں وحدت والا ہے۔ انڈیا کے بھی پیغمبر ہوئے ہوں گے۔

انصاف حق کی ہدایت دینے اور باطل کو روکنے سے فروغ پاتا ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے،

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِىْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِى التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ ز يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ. (الاعراف۔۱۵۷)

ترجمہ: وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اُس رسول کی جو نبی اُمی ہے کہ جس کو پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس توریت اور انجیل میں۔ وہ حکم کرتا اُن کو نیک کام کا اور منع کرتا ہے برے کام سے اور حلال کرتا ہے اُن کے لئے سب پاک چیزیں۔ (تفسیرِ عثمانی)

(باقی صفحہ ۶ پر)

سخاوت: حضرت ابنِ عمرؓ کے بارے میں ان کے معروف شاگرد حضرت نافعؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان کے پاس بیس ہزار سے زائد درہم آ گئے۔ لیکن جس مجلس میں وہ آئے تھے، آپ وہاں سے اس وقت تک نہیں اُٹھے جب تک پورے کے پورے خرچ نہ کر دیئے۔ جب کچھ باقی نہ رہا تو اتفاق سے ایک سائل اور آ گیا، آپ کے پاس دینے کے لیے کچھ نہ تھا تو جن لوگوں کو پہلے دے چکے تھے، ان سے قرض لے کر اسے دیا۔ ایک مرتبہ آپ بیمار ہوئے تو گھر والوں نے آپ کے لیے کچھ انگور منگوا دیئے، اتنے میں ایک سائل آ گیا، اور اس نے انگوروں ہی کا سوال کیا۔ حضرت ابنِ عمرؓ نے حکم دیا کہ وہ انگور اسی کو دے دیئے جائیں، گھر والوں نے بہت کہا کہ ہم اسے کچھ اور دے دیتے ہیں، لیکن حضرت ابنِ عمرؓ مُصِر رہے، یہاں تک کہ گھر والوں نے انگور اس سائل کو دیئے، اور بعد میں اسی سے خرید کر آپ کے سامنے پیش کئے۔

(تراشے از مفتی محمد تقی عثمانی صاحب)

حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ اخلاقِ رذیلہ کا مختصر علاج یہ ہے کہ تامل اور تحمل کیا جائے۔ یعنی جو کام کرے سوچ کے کرے کہ شرعاً جائز ہے یا نہیں اور جلدی نہ کرے بلکہ تحمل سے کام لیا کرے۔ یا اطلاع و اتباع یعنی اپنے احوال و اعمال سے شیخ کو مطلع کرتے رہیں اور اس کی تجویز پر عمل کریں یا انقیاد و اعتماد یعنی اپنے شیخ کی اطاعتِ کاملہ کرے اور جو کچھ وہ کہے اس پر اعتماد کرے۔

(اشرف الجواب)